وَجْهُ رَبِّكَ کو بقاء ہے اور اسے کوئی زوال نہیں

اس سے مراد خدا کی رضا بھی ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ یکم جون ۱۹۹۰ء بمقام ناصر باغ جرمنی)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے درج ذیل آیات قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۷﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۸﴾ (الرحمٰن: ۲۷، ۲۸)

پھر فرمایا:

فنا کی حقیقت ایک ایسی ظاہر و باہر حقیقت ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی اور چیز یقینی اور واضح اور ظاہر نہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جب بھی زندگی پیدا ہوتی ہے تو بلاشبہ موت پیدا ہوتی ہے کیونکہ کوئی زندگی ایسی نہیں جسے بقا ہو اور جس کا انجام موت تک نہ پہنچے۔ جو چیز پیدا ہوتی ہے اسے بھی فنا ہے، خواہ وہ زندہ ہو یا زندہ نہ ہو۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کو اس آیت میں بیان فرمایا جس کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے کہ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کہ ہر چیز جو بھی کائنات میں تمہیں دکھائی دیتی ہے یا زمین پر تم دیکھتے ہو، وہ فانی ہے۔ اس کی حقیقت کوئی نہیں وہ بالآخر فنا ہو جائے گی۔

سائنسدانوں نے اس مسئلے پر بہت غور کئے۔ ایک زمانے میں وہ سمجھتے تھے کہ ایٹم Indestructible ہے۔ یعنی ایک ایسی چیز ہے جو کبھی فنا نہیں ہو سکتی۔ پھر ایک دور اور ایسا آیا

جب تحقیق نے قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ ایٹم کو بھی فنا ہے اور اسی فنا کے نتیجے میں جو سائنس دانوں کو معلوم ہوئی پھر ایٹم بم اور ہائیڈروجن بموں کی ایجاد ہوئی۔ پھر ایک وقت ایسا تھا اور ابھی تک یہ دور چل رہا ہے، جبکہ یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ Proton کو فنا ہے یا نہیں ہے؟ لیکن دن بدن سائنسدانوں کا زیادہ گروہ اس بات کا قائل ہوتا چلا جا رہا ہے کہ Proton کو بھی بالآخر فنا ہے اور اب تک حساب دانوں نے جو حساب لگائے ہیں اور جن میں ہمارے مشہور Nobel Laureate ڈاکٹر عبدالسلام صاحب بھی ہیں ان کے فارمولے کے مطابق غالباً Proton کی عمر 1033 سال ہے اور اس کے بعد Proton کو بھی فنا ہوگی۔ چنانچہ اربوں ڈالرز کے خرچ سے امریکہ میں، اٹلی میں، بعض دوسرے مقامات پر یہ تجارب کئے جا رہے ہیں جن سے قطعی طور پر معلوم ہو سکے کہ Proton بالآخر فنا ہوگا یا نہیں ہوگا اور اگر ہوگا تو کتنی مدت میں؟ اور قرآن کریم نے آج سے چودہ سو سال پیشتر یہ قاعدہ کلیہ بیان فرمایا تھا کہ: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ہر چیز کو فنا ہے، خواہ اس کا نام Proton رکھو یا ایٹم رکھو، یا Electron رکھو، یا موآن رکھو، ''سب پارٹیکل'' قرار دو، یا کچھ اور کہہ دو، ہر پہلو سے بلا استثناء کائنات میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو فنا سے بالا ہو۔

پس اس لحاظ سے یہ ایک ایسی ظاہر حقیقت ہے، ایسی قطعی، ایسی یقینی کہ ہر وقت نظر کے سامنے رہتی ہے اور نظر کے سامنے رہنی چاہئے۔ لیکن ایک اور پہلو سے دیکھیں تو سب سے زیادہ موہوم حقیقت فنا کو ہے۔ یعنی انسان اپنے شعور کی دنیا میں موت سے ڈرنے کے باوجود اسے اپنے سے بہت دور دیکھتا ہے اور گردو پیش کو دیکھتا ہے لیکن اپنی ذات پر موت کی حقیقت کا اطلاق نہیں کرتا اور موت کی حقیقت کا اپنی ذات پر اطلاق کرنے کے نتیجے میں جو لازمی نتائج اس کی زندگی پر پڑنے چاہئیں، ان سے وہ محروم رہ جاتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں جہاں یہ فرمایا گیا کہ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ہر چیز کو فنا ہے، اس کے معاً بعد ساتھ ہی یہ اعلان بھی فرما دیا گیا: وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ایک چیز ایسی ہے جسے کوئی فنا نہیں وہ تیرے رب کا چہرہ ہے ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ وہ صاحب جلال ہے اور صاحب اکرام ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیوں نہ فرمایا کہ رب کو فنا نہیں ہے باقی ہر چیز کو فنا ہے۔ یہ

کیوں فرمایا کہ وَجْهُ رَبِّكَ تیرے رب کے چہرے کو فنا نہیں ہے حالانکہ اصل لا فانی حقیقت تو خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔اسی سے ہر دوسری چیز کو بقا حاصل ہوتی ہے اور اگر ہر دوسری چیز کو فنا ہے اور خدا کو نہیں تو پھر دوسرا سوال یہ بھی اٹھتا تھا کہ وہ تمام نیک روحیں جنہوں نے خدا سے تعلق جوڑ کر ایک قسم کی بقا حاصل کر لی کیا اس آیت کریمہ کا اطلاق ان پر بھی ہوگا اور وہ بھی فنا ہو جائیں گی؟ کیا جنت کو بھی فنا ہے اور اہل جنت کو بھی فنا ہے؟ یا صرف زمین پر بسنے والوں کا ذکر کیا جا رہا ہے؟ ان تمام امور کا جواب در حقیقت قرآن کریم کی اس آیت میں ہمیں دے دیا کہ خواہ ہم غور کریں یا نہ کریں لیکن جواب اس میں موجود ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تیرے رب کے سوا ہر چیز کو فنا ہے بلکہ فرمایا۔ وَجْهُ رَبِّكَ کے سوا ہر چیز کو فنا ہے اور وَجْهُ رَبِّكَ کے ساتھ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ کی صفات بیان فرمائیں۔ وَجْهُ کا ایک تو معنی ہے چہرہ۔ سوال دوسرا یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ چہرے کو فنا نہیں ہے، گویا خدا کا کوئی چہرہ ہے اور کیا نعوذ باللہ باقی ذات کو فنا ہے؟ اگر یہ معنے نہیں اور یقیناً نہیں اور بالکل غلط اور لغو معنے ہیں، تو پھر وَجْهُ کا لفظ کیوں استعمال فرمایا گیا؟

وَجْهُ کا معنی صرف چہرہ نہیں بلکہ رضائے باری تعالیٰ ہے اور رضا جن لوگوں کو نصیب ہو جاتی ہے وہ صاحب رضا بن جاتے ہیں اور در حقیقت ان معنوں میں خدا کے وہی چہرے ہیں۔ پس جب یہ فرمایا گیا کہ وَجْهُ رَبِّكَ کے سوا باقی ہر چیز فنا ہے تو مراد یہ ہے کہ ہر چیز فانی ہے، مگر وہ جو خدا سے تعلق جوڑ کر اس کی رضا کی مظہر بن جاتی ہے اور جو بھی خدا سے تعلق جوڑ کر اس کی رضا کا مظہر بن جاتا ہے وہی خدا کا چہرہ ہے۔ کیونکہ خدا فی ذاتہٖ تو دکھائی نہیں دیتا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو بارہا حضرت رسول اکرم ﷺ کے عشقیہ کلام میں یہ فرمایا کہ تجھ سے ہم نے خدا کو دیکھا ہے، تیرے دیکھنے سے خدا دیکھا، تو دراصل اسی آیت کی تفسیر ہے۔ خدا کے چہرے صاحب خدا لوگ ہوا کرتے ہیں اور جیسا کہ اس آیت میں یہ خوشخبری عطا فرمائی گئی ہے کہ ہر چیز مٹ جائے گی مگر وہ لوگ جو خدا کی رضا کے مظہر بن جاتے ہیں، جن کے چہروں میں خدا دکھائی دینے لگتا ہے یعنی بصورت دیگر جو خدا کا چہرہ بن جاتے ہیں جن کو دیکھ کر خدا دکھائی دیتا ہے، ان پر کبھی کوئی فنا نہیں ہے، پس اس پہلو سے حقیقت محمدیت ﷺ ایک لا فانی حقیقت بنتی ہے۔ جس کے اوپر کسی فنا کا کوئی تصور باندھا نہیں جا سکتا اور اسی نسبت سے نیک اعمال اختیار کرنے والے خدا کے وہ عاجز بندے جو خدا کی

رضا کی چادر اوڑھ لیتے ہیں اور اپنی رضا کو اس رضا کے تابع مٹانے لگ جاتے ہیں، وہ رفتہ رفتہ باخدا انسان بنتے ہوئے خدا کے چہرے بننے کے مستحق بن جاتے ہیں، خدا کے چہرے کہلانے کے مستحق بن جاتے ہیں اور اس پہلو سے ان کو بھی کوئی فنا نہیں۔

پس اس پہلو سے غور کرتے ہوئے جب ہم روزمرہ کی زندگی میں اس مضمون کا اطلاق کر کے دیکھتے ہیں تو باوجود اس کے کہ انسان فنا کو ہر طرف سے اپنے وجود کو گھیرے ہوئے دیکھتا ہے، باوجود اس کے کہ درحقیقت فنا کے سوا اور کوئی بھی حقیقت دکھائی نہیں دیتی، باقی ساری باتیں افسانے بن کے رہ جاتے ہیں جو چیز باقی رہنے والی دکھائی دیتی ہے وہ فنا ہے۔ کوئی ایسی حقیقت نہیں جو فنا کی دست برد سے پاک ہو، بالا ہو، اس سے مستثنیٰ ہو اس کے باوجود ہم فنا کو بھول جاتے ہیں اور جو چھوٹی سی زندگی چند لمحوں کی ہمیں نصیب ہوتی ہے اسی کو بقا سمجھنے لگ جاتے ہیں، حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ان تمہاری زندگیوں کی یا ان وجودوں کے عرصہ حیات کہہ لیں یا عرصہ قیام کی کوئی بھی حقیقت نہیں، خواہ وہ اربوں سال بھی رہیں بالآخر لازماً انہوں نے مٹنا ہے اور اس کے باوجود کہ ہم فنا کو اس طرح نہیں دیکھتے جیسے دیکھنا چاہئے، ہم حیات سے چمٹتے ہیں اور حیات ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اپنی حیات کو لمبا کرنے کا کوئی سامان نہیں کرتے۔ یہ انسان کی غفلت کی وہ حالت ہے جس کے نتیجے میں تمام دنیا میں بداعمالیاں پھیلتی ہیں اور انسانی زندگی صداقتوں سے محروم رہ جاتی ہے۔ ہم حقیقت میں جس زندگی کو چمٹتے ہیں اسے لمبا بھی کرنا چاہتے ہیں اور خواہ اپنی ذات کے متعلق یقینی طور پر یہ نہ بھی سمجھیں کہ ہم نے آج نہیں تو کل گزر جانا ہے اور اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو نہ بھی ڈھالیں تب بھی، جیسی بھی ہماری زندگی ہے اسے لمبا کرتے چلے جاتے ہیں، لمبا ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کی مختلف شکلیں ہیں۔

ایک تو فی ذاتہٖ انسان اپنے لئے ہر قسم کی کوشش کرتا ہے کہ اس کی زندگی کا عرصہ بڑھتا چلا جائے اور زیادہ دیر وہ اس دنیا میں سانس لے سکے۔ دوسرے علم کے ذریعے دنیا میں پھیلتا ہے اور اپنی ذات کو کائنات پر علم کے ذریعے اور جستجو کے ذریعہ پھیلاتا ہے۔ پس اس حیثیت سے جتنا صاحب شعور اور صاحب علم انسان ہو، وہ اتنا ہی زیادہ زندہ رہتا ہے۔ ایک بے وقوف اور کم نظر انسان بھی بظاہر اس کے ساتھ عرصۂ حیات میں شریک دکھائی دیتا ہے لیکن وہ شخص جس کی نظر محدود ہو وہ تھوڑی

باتیں دیکھ رہا ہو، اس کی زندگی کا ماحصل بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے۔ وہ شخص جو صاحبِ علم وعرفان ہے، اس کی نظر کائنات پر پھیلی ہوتی ہے اس کے مطابق درحقیقت اس کی زندگی زیادہ وسیع اور بھرپور ہوتی ہے۔ چنانچہ کچھ وقت میں لمبا ہو کر، کچھ کائنات میں پھیل کر انسان اپنی زندگی کو وسعت دیتا چلا جاتا ہے اور پھر اپنے مرنے کے بعد اپنی اولاد کے ذریعہ ایک قسم کی بقا حاصل کرتا ہے۔ اسی لئے وہ لوگ جو اولاد سے کلیتہً محروم ہوں، وہ بہت بے چین اور بے قرار رہتے ہیں، کیونکہ درحقیقت نفسیاتی نکتہ یہ بنتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ دوسرے لوگ تو باقی رہیں گے، ہم اپنی موت کے ساتھ ختم ہو جائیں گے اور ہماری اولاد پیچھے کوئی ایسی نہیں آئے گی جو ہمارے وجود کو ایک نئی خلعت عطا کرے اور ہمارے وجود ان کی شکلوں میں زندہ رہیں اور پھر ان کے بعد ان کے بعد میں آنے والے بچوں کی شکلوں میں زندہ رہیں اسی لئے مائیں اولاد سے بعض دفعہ اپنی ذات سے بھی زیادہ محبت کرتی ہیں کیونکہ درحقیقت وہ اپنی زندگی کی بقا اپنی اولاد میں دیکھ رہی ہوتی ہیں اور مستقبل چونکہ ایک لامتناہی چیز ہے اور حال کی عمر چھوٹی ہوتی ہے اس لئے جو گہری محبت کرنے والی مائیں ہیں وہ غیر شعوری طور پر اس مسئلے کی حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے بھی اولاد سے اس لئے محبت کرتی ہیں کہ وہ ان کی زندگی کا مستقبل ہوتی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ اولاد کے ذریعے ہم ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ نہ تم اپنی ذات میں مستقل زندہ رہ سکتے ہو، نہ اپنے علم کے ذریعے مستقل زندہ رہ سکتے ہو، نہ تم اپنی اولادوں کے ذریعے مستقل زندہ رہ سکتے ہو کیونکہ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ اس زندگی، اس کائنات میں فنا کا ہاتھ ہے جو سب ہاتھوں سے لمبا ہے، ہر عرصۂ حیات پر محیط ہے، ہر وجود پر اس کی دسترس ہے۔ پس کسی قیمت پر بھی تمہیں بقا نصیب نہیں ہو سکتی۔ ہاں بقا کی تمنا ہے اور سچی تمنا ہے تو ایک ہی ذریعہ ہے کہ جس سے تم ہمیشہ کی زندگی پا سکتے ہو اور وہ ہے وَجْهُ رَبِّكَ کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اپنے رب کے وَجْهُ کو پانے کی کوشش کرو۔ جس کا مطلب ہے رضائے باری تعالیٰ اور جب تم رضائے باری تعالیٰ حاصل کر لو گے تو خدا کی رضا کو کوئی فنا نہیں۔ خدا کی رضا میں ہو کر تم ہمیشہ کی زندگی پا لو گے اور لامتناہی زندگی پا لو گے۔

اس حقیقت کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں ہماری زندگیاں بہت سی برکتوں اور نعمتوں سے محروم کٹتی چلی جاتی ہیں۔ ہم میں سے بھاری اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو بے چین ہیں۔ وہ لوگ جنہیں چین

نصیب ہے وہ چین بھی ان کا عارضی ہے اور چین پر بھی ہمیشہ فنا آ جاتی ہے، اگر فنا نہیں ہے تو ایک معنی میں بے قراریوں کو فنا نہیں ہے حسرتوں کو فنا نہیں ہے کیونکہ وہ موت کی مثال ہیں۔ پس اس پہلو سے اگر ہم زندگیوں کو دیکھیں تو ہم میں سے اکثر ہمہ وقت بے چین رہتے ہیں۔ کچھ نہ کچھ پانے کے باوجود بے چین رہتے ہیں کیونکہ ان کی تمنائیں ان کے حصول کی خواہشیں ان کی دسترس سے آگے آگے بھاگ رہی ہوتی ہیں۔ جو کچھ بھی حسرتیں انسان اپنے دل کی نکال سکتا ہے نکال چکتا ہے، تو اس سے زیادہ اور حسرتیں دل میں آ کے جگہ بنا لیتی ہیں۔ اسی مضمون کو غالب نے یوں بیان کیا تھا، گناہ کی نسبت سے کہ:

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب، اگران کردہ گناہوں کی سزا ہے (دیوان غالب صفحہ:۳۳۴)

کہ اے خدا! گناہوں کی بھی تو کبھی حسرت ہماری پوری نہیں ہوسکتی۔ جتنے گناہ کرتے چلے گئے، گناہ کی طلب اور بڑھتی چلی گئی اور کبھی زندگی میں گنہگار کو جس نے سب طرح سے کھلی ڈور چھوڑ دی ہو۔ جس نے اپنے آپ کو ہر طرح کھلی چھٹی دے رکھی ہو اس کو بھی گناہ اس حد تک کرنے کی تسکین نصیب نہیں ہوئی کہ اس کا پیٹ بھر گیا ہو اسی مضمون کو غالب ایک اور شعر میں یوں بیان کرتا ہے۔

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا (دیوان غالب صفحہ:۸۳)

کہ میرے گناہوں کا جو سیلاب ہے وہ اپنا جوش مارتے ہوئے تیز رفتاری کی وجہ سے خشک ہو گیا اور ابھی تو میرا دامن بھی نہ بھیگا تھا۔

پس کسی پہلو سے آپ دیکھ لیں انسان کو مستقل چین نصیب نہیں ہوسکتا اور وہ کسی نہ کسی پہلو سے چین کی تلاش میں رہتا ہے اور وہ ایک راہ جو چین کے نصیب کی خدا تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے اس سے وہ غافل رہتا ہے۔

قرآن کریم نے جہاں یہ فرمایا کہ: وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ایک باقی رہنے والی حقیقت ہے تو ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ رضائے باری تعالیٰ کو دوام حاصل ہے اور درحقیقت تسکین قلب دوام سے نصیب ہوسکتی ہے۔ اسی بات کو ایک اور آیت میں کھولتے ہوئے بیان فرمایا:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:۲۹) خبردار ! اگر تم دلوں کی سکنیت چاہتے ہو، طمانیت چاہتے ہو، تو یاد رکھنا کہ ذکر الٰہی کے سوا تمہیں کبھی سکون نصیب نہیں ہوسکتا۔

پس تسکین کی راہ بھی وہی ہے جو بقا کی راہ ہے اور دراصل یہ ایک دوسرے کے مختلف نام ہیں۔ تسکین اور بقا حقیقت میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور یہ دونوں چیزیں خدا تعالیٰ کی ذات سے وابستہ ہیں۔ اگر ہم اس مضمون کو سمجھیں اور غور کریں تو ہماری زندگی کے نقشے بدل جائیں۔ کتنے بے چین لوگ ہیں جو اس یورپ میں بس رہے ہیں، جو دنیا کے لحاظ سے ترقی کے آخری زینوں پر دکھائی دیتے ہیں، اگر چہ ترقی کا کوئی آخری زینہ نہیں لیکن نیچے سے جب تیسری دنیا کی قومیں ان کو دیکھتی ہیں تو یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ آسمان سے باتیں کر رہے ہیں لیکن یہاں بھی آپ ان کے سینے ٹٹول کر دیکھیں ان میں دانشور ہوں یا غیر دانشور ہوں، مزدور ہوں یا مالک ہوں، سب بے چین ہیں، کسی کو چین نصیب نہیں ہے۔

آپ احمدیت کے نمائندہ بن کر اس ملک میں یہ پیغام لے کر آئے ہیں کہ اگر تم چین چاہتے ہو تو ہم سے حاصل کرو۔ ہم تمہیں چین کی راہ دکھاتے ہیں، ہم تمہیں سکینت کا خزانہ عطا کر سکتے ہیں اور احمدیت کے پیغام میں، جو حقیقی اسلام ہے، دراصل یہی پیغام ہے۔ لیکن یہ کہنے کے بعد اگر ہم دیانتداری سے اپنے نفوس کا جائزہ لیں، اپنے قلبی حالات کا جائزہ لیں، تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم میں سے اکثر سکینت کے لحاظ سے خالی برتن ہیں۔ یہ درست ہے کہ دنیا میں سو قسم کی بے اطمینانی پیدا کرنے والی وجوہات موجود ہیں اور بسا اوقات ایسی تمنائیں ہیں جو پوری نہیں ہوسکتیں، لیکن ان سب حسرتوں کا دکھ دور کرنے کا علاج بھی انہیں آیات میں ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اور يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ مثلاً وہ بے چین مائیں جو اولاد سے محروم رہتی ہیں، وہ بے قرار ہو ہو کر خط لکھتی ہیں، لکھتی چلی جاتی ہیں۔ بعض دفعہ ایسے دردناک خط ملتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں دعا کی تحریک بھی خاص ہوتی ہے۔ بعض دفعہ خدا بشارت عطا فرماتا ہے بعض دفعہ قبولیت دعا کے آثار انسان دیکھ لیتا ہے اور بعض دفعہ نہ وہ دعا کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، نہ قبولیت کے آثار دکھائی دیتے ہیں وہ معاملے اسی طرح لٹکتے چلے جاتے ہیں اور وہ روحیں جو اپنی تمناؤں سے محروم رہتی ہیں۔ وہ بے چین رہتی ہیں اسی طرح بے قراری میں دن گزارتی چلی جاتی ہیں۔ بلکہ بعض عورتوں

کے خط تو پھر دنوں کے حساب لے کر آتے ہیں کہ آج میری شادی کو تیس سال اتنے دن ہو چکے ہیں اور آج تک میں اولاد سے محروم ہوں۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی خدا تعالیٰ کی ہستی پر سچا ایمان رکھتا ہو اور کائنات کا شعور رکھتا ہو، موت و حیات کے فلسفے سے آگاہ ہو، اگر قرآن کریم کی اس آیت پر اس کی نظر ہو کہ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۷﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ تو اولاد کی تمنا اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن اولاد کے نہ ہونے کے نتیجے میں ویسی بے قراری اس شخص کو نہیں ہو سکتی، جیسی ایک بے دین شخص کو ہوتی ہے۔ وہ زیادہ تیزی کے ساتھ خدا کی طرف جھکے گا اور خدا کی رضا حاصل کر کے اپنی ذات کو خدا کی ذات میں ایک دوام بخشے گا۔ خدا کی رضا کے ذریعے اپنے آپ کو ہمیشہ کی زندگی عطا کر سکتا ہے اور جس کو خدا تعالیٰ کی ذات نصیب ہو جائے اس کے دلوں کے خلا یقیناً دور ہو جایا کرتے ہیں۔ دنیا کی کمزوریاں، دنیا کی محرومیاں دکھائی تو دیتی ہیں، محسوس بھی ہوتی ہیں، لیکن بے حقیقت بن کر۔ اس کے برعکس جو دنیا میں ڈوب جاتے ہیں، انہیں دنیا کے غم اور دنیا کی تکلیفیں اتنی بڑی دکھائی دیتی ہیں کہ ان کے وجود پر قبضہ کر لیتی ہیں ان کو گرا دیتی ہیں۔ بعض دفعہ اپنے پاؤں تلے مسلتی چلی جاتی ہیں اور ایسے اشخاص کی ساری زندگیاں دکھوں اور مصیبتوں میں کٹتی ہیں۔

پس اگر آپ نے حقیقت میں تسکین پانے کا گر سیکھنا ہے، اگر آپ کو حقیقتاً تسکین کی تلاش ہے تو یاد رکھیں کہ تسکین بقاء سے نصیب ہوا کرتی ہے۔ ہر وہ دکھ جس کو آپ محرومی کہتے ہیں اس کا کسی نہ کسی شکل میں موت سے تعلق ہے۔ ہر وہ چیز جس کو آپ خوشی کہتے ہیں اس کا کسی نہ کسی شکل میں بقاء سے تعلق ہے۔ یہ مضمون بہت تفصیلی مطالعہ کا محتاج ہے اور اس موقعہ پر یہ مناسب نہیں ہوگا کہ اس کی تفاصیل میں جا کر میں آپ کو دکھاؤں کہ کس طرح ہر محرومی اور ہر دکھ کا کسی نہ کسی شکل میں موت سے تعلق ہے اور ہر خوشی کا اور ہر حصول کا کسی نہ کسی رنگ میں زندگی سے تعلق ہے لیکن ہے یہی کچھ حقیقت اس کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں۔

اس پہلو سے جب خدا تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ وَجْهُ رَبِّكَ کو بقاء ہے اور اسے کوئی زوال نہیں ہے تو اتنی گہری حقیقت ہے، ایسا عظیم عرفان کا خزانہ عطا کر دیا گیا ہے کہ جس سے بڑھ کر دولت نصیب ہی نہیں ہو سکتی۔ لیکن چونکہ انسان خدا تعالیٰ کے وَجْهُ کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، اور دنیا

کی لذتوں کو قریب دیکھ رہا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کی رضا کے چہرے کو دور ہٹا ہوا دیکھتا ہے اور مشکل سمجھتا ہے، اس لئے وہ سنتا ہے اور دل میں جاگزیں کرنے کی بجائے اور اس بات پر غور کرنے کے بجائے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی بجائے وہ سن کر آگے گزر جاتا ہے جیسے ان سنی کر دی گئی ہو۔

پس جماعت احمدیہ کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کی تربیت کے لئے اور ان کی کامیاب زندگیوں کے لئے اس گر کو نہ صرف سمجھنا ضروری ہے بلکہ اس کو اپنا لینا ضروری ہے۔ ان کے ساتھ چمٹ جانا ضروری ہے۔ وہ لوگ جن کو خدا دلوں میں محسوس ہونا شروع ہو جائے ان کی زندگیوں کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ ان کے غموں، ان کے دکھوں، ان کے فکروں کی نوعیت بالکل اور ہو جاتی ہے۔ یہ ساری حقیقتیں ان کو عارضی دکھائی دیتی ہیں اور اس وقت یہ آیت بجائے خوف کے ایک اور خوشخبری لے کر ان کے لئے آتی ہے اور وہ یہ ہے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ یعنی یہ تنبیہ کی بجائے باخدا لوگوں کے لئے خوشخبری بن جاتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دکھ بھی سارے عارضی ہیں دنیا کی حقیقتیں ساری بے معنی ہیں۔ جو چیزیں ہمیں حاصل نہیں ہوئیں انہوں نے کب باقی رہنا ہے۔ جو دوسروں نے ہتھیالی ہیں یا قبضہ کر بیٹھے ہیں، وہ ان پر کب تک رہیں گے؟ آخر ہر ایک نے اس دنیا سے چلے جانا ہے اور خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہو جانا ہے۔ وہاں اگر کوئی چیز کام آئے گی تو وَجْهُ رَبِّكَ کام آئے گا۔ یعنی خدا کی رضا ہے جو تمہارے کام آسکتی ہے۔ باقی ساری چیزیں اس دنیا میں پیچھے رہ جائیں گی اور جو پیچھے رہ جائیں گی وہ بھی فنا ہو جائیں گی، کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ پس یہ آیت بظاہر شروع میں کم سے کم ایک ایسے شخص کو جس کو خدا کا عرفان حاصل نہیں، ڈراتی ہے اور بہت ہی خوفناک اعلان دکھائی دیتا۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ جب انسان وَجْهُ رَبِّكَ سے تعلق جوڑ لے اور سہارا خدا کی ذات کا لے، تو اچانک یہ آیت جو پہلے ڈراتی ہوئی دکھائی دیتی تھی ایک خوشخبری میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ پھر انسان کو صبر کی بھی توفیق ملتی ہے۔ پھر انسان یہ سمجھتا ہے کہ میں تو خدا کا ہو چکا، خدا کی رضا میں نے دل میں بسا لی۔ خدا کی رضا کی لذت محسوس کرنے لگا ہوں یہ تکلیفیں جو ہیں یہ عارضی ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے، انہوں نے لازماً فنا ہو جانا ہے مگر میری لذت ہمیشہ باقی رہے گی۔ میرے سکون کو دنیا کی کوئی طاقت مجھ سے چھین نہیں سکتی۔ یہ آیت کریمہ پیغام دینے لگ جاتی ہے۔

اور جب تک ہم اس تجربے سے نہ گزریں، ہم اہل یورپ کی زندگیوں کو تبدیل نہیں کر سکتے

کیونکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، ان سب کے اندر روز افزوں پیاس کا احساس بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ پیاس تو صدیوں کی ہے، لیکن اس کا احساس کبھی اس تیزی کے ساتھ نہیں بڑھا تھا جتنا اس دور میں بڑھ رہا ہے۔ ان کی نئی نسلیں محرومی کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہی ہیں۔ اپنی تہذیب سے بددل ہو چکی ہیں، اپنے معاشرے سے بددل ہو چکی ہیں، اپنی Civilization سے اور ان تمام اقدار سے جن کو مغربی Civilization کہا جاتا تھا، آخر مایوس ہو چکی ہیں اور دن بدن یہ شعور بڑھتا چلا جا رہا ہے کہ ہمیں کچھ بھی حاصل نہیں ہوا اور اس تلاش میں کہ کچھ حاصل ہو جائے سرگردان کبھی کسی رخ پر اٹھ دوڑتی ہیں، کبھی کسی اور رخ پر اٹھ دوڑتی ہیں۔ تلاش میں ہیں لیکن پتہ نہیں کہ کیا تلاش کر رہی ہیں اور کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ان کو تبلیغ کرنے کا صرف ایک ہی مؤثر اور ٹھوس اور کارآمد طریق ہے، باقی ساری باتیں منطق کے اینچ پینچ ہیں ان کے ذریعے آپ کو کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا اور وہ خدا کی زندہ حقیقت کو ان کے سامنے پیش کرنا ہے۔ ایک ہی ذریعہ ہے جس سے آپ ان کی اپنی ذات میں دلچسپی پیدا کر سکتے ہیں اور وہ ذریعہ ہے آپ کا اپنا وَجْهُ رَبِّكَ بننے کی کوشش کرنا۔ ایسا وجود بننا جس میں خدا کے چہرے دکھائی دینے لگیں اور وہ ایک ایسی کشش ہے جو ہر دوسری چیز پر لازماً غالب آنے والی ہے۔ ان کو یہ پیغام دینے کی ضرورت ہے۔

؎ لو تمہیں طور تسلی کا بتا یا ہم نے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ مصرعہ فرمایا تو یہ کوئی سوچی سمجھی بات کا نتیجہ نہیں تھا۔ یہ ایک تجربے کے نتیجے میں خود بخود دل سے پھوٹنے والا مصرعہ ہے۔

؎ آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

جس شخص نے نور خدا کو نہ پایا ہو، اس کے منہ سے یہ مصرعہ نکل نہیں سکتا۔ یہی طور تسلی کا اس وقت بھی تھا اور آج بھی ہے اور جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تسلی کا یہ طور بتا کر صاحب تسلی لوگ پیدا کر دیئے۔ اپنے گرد و پیش میں ان لوگوں کے حالات تبدیل کرنے شروع کر دیئے جو مختلف حالات میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ان کے تعلقات دنیا سے ٹوٹنے شروع ہوئے اور خدا تعالیٰ سے بننے شروع ہوئے، یہاں تک کہ دیکھتے دیکھتے ان کی کایا پلٹ گئی اور وہ یہی پیغام لے کر پھر

دنیا کے سامنے نکلے کہ

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے (درثمین صفحہ:۱۶)

میں نے صحابہؓ کی زندگی پر غور کیا ہے، تو یہی خلاصہ مجھے ان کی زندگی کا ملا۔ ان میں صاحب علم بھی تھے اس میں کوئی شک نہیں لیکن ضروری نہیں تھا کہ جو صاحب علم تھا وہی دوسری سوسائٹی پر غالب آیا ہو۔ بعض بالکل دنیا کے لحاظ سے بے علم تھے جن کو خدا تعالیٰ نے غلبہ عطا فرمایا تھا وہ اپنے ماحول پر جہاں جاتے تھے غالب آجاتے تھے اور ان کے ذریعے خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ احمدیت کا پیغام دور نزدیک ہر طرف پھیلا ہے اور کبھی کسی سوسائٹی میں وہ لوگ مغلوب نہیں ہوئے۔ علم کی وجہ سے نہیں یا علم کے فقدان کی وجہ سے نہیں جو کچھ ہو رہا ہے وہ خدا کے ہونے یا نہ ہونے کے نتیجے میں ہو رہا تھا۔ صحابہؓ کے اندر خدا موجود تھا۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تسلی کا یہ طور سیکھ لیا تھا اور ان کے دل طمانیت سے بھر گئے تھے۔ وہ ایسی طمانیت سے بھر گئے تھے جو نور خدا کے سوا نصیب نہیں ہو سکتی اور یہی ان کی دولت تھی۔ یہی ان کی روشنی تھی جس سے وہ اندھیروں میں اجالے کر رہے تھے اور دنیا والے نظریاتی لحاظ سے خواہ کتنی ہی مخالفت کرنے والے ہوں، جب وہ آنکھوں کے سامنے خدا کی صفات کے نشان دیکھتے ہیں، جب وہ خدا کے چہرے کو جلوہ گر دیکھ رہے ہوتے ہیں تو رفتہ رفتہ ان کی ساری مخالفتیں، اگر ان میں کوئی صداقت کا مادہ موجود ہے، مغلوب ہونے لگ جاتی ہیں۔ یہی وہ نور ہے جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل:۸۲) حق آ گیا ہے اور باطل کے مقدر میں بھاگنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا باطل کے تو نصیب میں ہی بھاگنا ہے اس لئے باطل بھاگ گیا ہے۔ پس یہ وہ غلبے کا آخری اور غالب آنیوالا مفہوم ہے جس کو سمجھ کر جس کو اپنا کر اپنی زندگی میں جاری کر کے آپ کو گرد و پیش غلبہ نصیب ہو سکتا ہے لیکن غلبہ دراصل آپ کو نہیں بلکہ خدا کے چہرے کو نصیب ہوگا۔

اس پہلو سے ایک اور نکتہ بھی ہمارے ہاتھ آیا کہ وہ لوگ جو الٰہی جماعتیں ہیں جب وہ دنیا میں پھیلتی ہیں تو اپنی ذات کی خاطر نہیں، اپنے جلال اور اپنے اکرام کے لئے نہیں، بلکہ چونکہ وہ خدا

کے چہرے کو اپنا لیتی ہیں اس لئے ذُوالۡجَلٰلِ وَالۡاِکۡرَامِ کے چہرے کو اپنا کر وہ اس کی عزت اور اس کے شرف اور اس کے مرتبے کی خاطر دنیا میں پھیلتی ہیں اس لئے نہیں کہ ان کو کوئی غلبہ نصیب ہو ، یا ان کو کوئی طاقت عطا ہو۔ پس یہ پھیلاؤ درحقیقت اس وقت مبارک ہوگا جب ایسی الٰہی جماعتوں کے پھیلنے کے ساتھ خدا کا چہرہ پھیل رہا ہو خدا کا نور پھیل رہا ہو اور اگر اس کے بغیر آپ دنیا میں پھیلیں تو آپ کو عددی اکثریت تو حاصل ہو سکتی ہے، ایک قسم کا غلبہ تو مل سکتا ہے، مگر اس غلبے کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔ اب آپ دیکھیں Jehova Witness والے بھی ہیں، Mormons ہیں، اسی قسم کے اور بہت سے نئے نئے فرقے بھی نکلے ہیں جن کو Cults کہا جاتا ہے۔ ایک وقت میں ہری کرشنا والے سوئٹزرلینڈ میں اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں تیزی سے پھیلنے لگے تھے پھر امریکہ میں بڑا ان کو نفوذ ہوا۔ سکھ بننے کا شوق بھی یورپ اور امریکہ میں چلا۔ صوفی یعنی ایک قسم کا فرضی صوفی جو اپنی ذات میں ڈوب کر درحقیقت گردوپیش سے آنکھیں بند کر رہا ہوتا ہے ایسا صوفی بننے کا شوق بھی اہل یورپ میں چلا۔ یہ چیزیں آئیں اور رفتہ رفتہ فنا ہوتی چلی گئیں کیونکہ ان میں درحقیقت کوئی باقی رہنے والی بات نہیں تھی۔ ان چیزوں کے پھیلنے سے درحقیقت خدا کا چہرہ نہیں پھیلا بلکہ وہ فرقے پھیلے ہیں جو دنیا میں عددی اکثریت کے خواہاں تھے۔ اور کچھ مالی فوائد ان کے پیش نظر تھے۔

یہ آیت کریمہ جو ہمیں بتاتی ہے کہ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٧﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ یہ خوشخبری بھی ہمیں دے رہی ہے کہ وہ لوگ جو وَجۡهُ رَبِّكَ کے بغیر، تیرے رب کی رضا کے بغیر پھیلتے ہیں، ان کے پھیلنے کو بھی کوئی بقا نہیں۔ وہ بے معنی اور بے حقیقت عددی اکثریت ہے جس کو حقیقت میں خدا کی نظر میں کوئی حیثیت حاصل نہیں۔ اس نے آج نہیں تو کل مٹ جانا ہے۔ تم اگر پھیلنا چاہتے ہو تو خدا کا چہرہ حاصل کرو اور وہ چہرہ لے کر، اس شمع کے نور کے ساتھ پھیلو۔ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ خدا کے چہرے کا جلال دنیا میں پھیلے گا خدا کے چہرے کا اکرام دنیا میں پھیلے گا۔ پس صاحب خدا لوگ وہی ہیں جن کے پھیلنے کے ساتھ خدا تعالیٰ کا جلال اس کی عظمت اور اس کا اکرام دنیا میں پھیلتا ہے اور اس کے بغیر جماعت احمدیہ کے پھیلنے کا کوئی بھی معنی نہیں کوئی بھی حقیقت نہیں ہے۔

جرمنی میں خصوصیت سے خطبے کے دوران میں نے اس مضمون کو اس لئے چنا ہے کہ جرمنی جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بہت سی نیکیوں میں ترقی کر رہی ہے اور بہت سے خطرات کا بھی اس کو سامنا ہے۔ جہاں تک مالی قربانی کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے عظیم مثالیں قائم کر رہی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ ابھی بہت سی گنجائش باقی ہیں لیکن جہاں تک عبادتوں کا تعلق ہے، جہاں تک خدا کو دل میں بٹھا لینے کا تعلق ہے، ابھی بہت سے مراحل باقی ہیں۔ جہاں تک تبلیغ کا تعلق ہے اگر چہ آپ لوگ کوشش کرتے ہیں، یعنی ایک حصہ آپ میں سے، مگر بہت بھاری اکثریت آپ کی ایسی ہے جو تبلیغ کے فن سے ہی واقف نہیں اور جب خطبات میں ذکر سنتی ہے تو دل میں ایک ولولہ سا اٹھتا ہے لیکن ایک عارضی چمک کی طرح، جس طرح جگنو اندھیرے میں دکھائی دے، پھر وہ ولولہ خود بخود بجھ بھی جاتا ہے، باقی رہنے والی روشنی نہیں رہتی اور اس وجہ سے سالانہ تبلیغ کا ماحصل بہت تھوڑا ہے۔ اگر آپ اعداد میں اپنی تبلیغی کوششوں کے نتائج دیکھیں تو بالکل معمولی ہیں۔ اس لحاظ سے مجھے خیال آیا کہ دو باتوں کی طرف آپ کو خصوصیت سے متوجہ کروں۔

اول یہ کہ کامیاب تبلیغ کا راز حقیقت میں خدا کو پالینا ہے اور اگر آپ صاحب خدا بن جائیں آپ کی علمی کمزوری کبھی آپ کی راہ میں حائل نہیں ہوگی۔ آپ کی مقبول دعائیں آپ کی نیک ادائیں آپ کا اٹھنا بیٹھنا آپ کا سلیقہ آپ کا وقار آپ کی بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی، جو یہ سارے نتائج ہیں خدا والا بننے کے، یہ جب آپ کی ذات میں ظاہر ہوں گے تو لازماً آپ کی تبلیغ مؤثر ہوگی اور آپ میں پھیلنے کی طاقت ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس طرح پھیلنے کے نتیجے میں جو اعداد آپ کو نصیب ہوں گے وہ محض گنتی کی باتیں نہیں ہوں گی بلکہ حقیقۃً صاحب خدا لوگ، صاحب خدا لوگ ہی پیدا کیا کرتے ہیں۔ اور ایسے لوگ جو تقویٰ کے ساتھ تبلیغ کرنے والے ہوں، جو نیکی کے ساتھ تبلیغ کرنے والے ہوں، ان کی تبلیغ کا پھل بھی باقی رہا کرتا ہے۔ یہ راز میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں وہ لوگ جو لفاظیوں کے ذریعے اور محض منطق کے ذریعے لوگوں کے دماغ قائل کرتے ہیں، بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ ایسے اسلام میں داخل ہونے والے جو ان دروازوں سے داخل ہوتے ہیں اسی قسم کے وسوسوں کے

دروازوں سے باہر بھی چلے جاتے ہیں اور انہیں دوام نصیب نہیں ہوتا لیکن نیک آدمی اگر ایک نیک آدمی پیدا کر دے تو اس کا براہ راست خدا سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور نیک آدمی کو پھر قرار ملتا ہے۔ اس کو دوام نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ میں ان دونوں باتوں کا موازنہ فرما دیا۔ فرمایا کلمہ طیبہ وہ ہے جس کی جڑیں پیوستہ ہو جاتی ہیں اور وہ رزق خدا سے اور آسمان سے حاصل کرتا ہے۔ اس کی شاخیں آسمان میں پھیلتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی برکت سے ہر حال میں اس کو پھل لگتے رہتے ہیں۔ تو جو انسان خدا کو حاصل کرنے کے بعد اس سے تعلق جوڑے اور باثمر بن جائے اس کے اکھڑنے یا اس کے بدکنے یا اس کے بھٹکتے پھرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس ایسا شخص جو خود باخدا ہو اور نیکی کی اہمیت کو نہ صرف یہ کہ ذہنی طور پر سمجھتا ہو بلکہ اپنے دل کو نیکی کی راہ پہ ڈال چکا ہو، خدا کے حضور اپنا سر تسلیم خم کر چکا ہو، اس شخص کے بنائے ہوئے احمدیوں میں بھی ویسے اثرات سرایت کر جاتے ہیں ویسی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نئے احمدی کو دیکھ کر اکثر یہ صحیح اندازہ لگا لیتا ہوں کہ کس کی تبلیغ سے ہوا ہوگا۔ فرماتے تھے کہ اگر کوئی مبلغ کنجوس ہو اور چندوں میں کمزور ہو تو اس کے ذریعے بنے ہوئے احمدی بھی کنجوس اور چندوں میں کمزور ہی نکلتے ہیں، جو شخص تبلیغ کا شوق رکھتا ہو لیکن نمازوں میں کمزور ہو، اس کے بنائے ہوئے احمدی بھی تبلیغ کا جوش تو رکھتے ہیں لیکن نمازوں میں کمزور ہوتے ہیں اس لئے کہ ہر شخص اپنی مہر دوسرے پر ثبت کر رہا ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا سب سے بالا مقام نبیوں کی مہر کا ہے۔ ایسی مہر جو نبوت پیدا کرتی ہے۔ اس مہر کے ایسے عظیم نقوش ہیں کہ نبوت کی طرح تقویٰ کے نقوش عطا کرتی ہے۔ پس یہ تو آپ کی مہر کا نقش آپ کا چہرہ دکھائے گا۔ آپ جب ایک نیا احمدی پیدا کرتے ہیں تو دراصل آپ کی مہر نے ایک نقش پیدا کر دیا ہے اس نقش میں آپ کے چہرے دکھائی دیں گے اور اگر آپ کے چہرے میں خدا دکھائی دیتا ہے، اگر آپ کے چہرے کو خدا کا چہرہ قرار دیا جا سکتا ہے، تو جتنے نقوش آپ بناتے چلے جائیں گے، ہر نقش خدا کی طرف اشارہ کر رہا ہوگا۔ ہر نقش کے چہرے میں خدا کے وجود دکھائی دینے لگیں گے اور اس طرح ایک ایسے استحکام کے ساتھ جماعت پھیلے گی کہ ہر قدم جو اٹھے گا وہ مستحکم ہوتا چلا جائے گا۔

پس اس دنیا میں جبکہ خدا کی تلاش تو ہے لیکن لوگوں کو علم نہیں کہ کیسے حاصل کیا جائے، جب

سکینت کی تلاش تو ہے لیکن پتہ نہیں کہ سکینت کیسے حاصل کی جاتی ہے، یہی گر ہے یہی ایک راز ہے جس کے سوا اور کوئی گر اور کوئی راز نہیں کہ آپ خدا کا چہرہ بننے کی کوشش کریں۔ اللہ سے محبت پیدا کریں۔ خدا سے پیار پیدا کریں اور خدا کی ذات کو اپنی ذات میں جھلکتا ہوا دکھانے کی کوشش کریں۔ یہ جھلکیاں ہر مومن میں ہوتی ہیں لیکن بعض مومنوں میں آناً فاناً جھلکیاں آتی ہیں اور آناً فاناً چلی جاتی ہیں، کبھی خدا کی چمک دکھائی دی کیونکہ جب تک خدا کی چمک کسی دل میں ظاہر نہ ہو وہ مومن بن ہی نہیں سکتا۔ اس لئے ہم میں سے جو کمزور بھی ہیں، بد بھی ہیں، ہر قسم کے احمدی، ایمان کی وجہ سے کوئی نہ کوئی حالت ان کے دلوں پر ضرور طاری ہوئی ہوگی کہ انہوں خدا کو اپنے وجود میں جھلکتا ہوا دیکھا ہوگا بعض خطرات کے وقت دعاؤں کے ذریعے قبولیت دعا کا نشان دیکھا ہوگا۔ کبھی کسی رنگ میں کبھی کسی رنگ۔ غرضیکہ مومن ہوتے ہوئے یہ ناممکن ہے کہ خدا کبھی دکھائی نہ دیا ہو یا اپنی ذات میں چمکا نہ ہو۔ لیکن یہ وَجْهُ رَبِّكَ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ کیونکہ وَجْهُ رَبِّكَ میں ایک مستقل حقیقت بتائی گئی ہے۔ عارضی جھلکی کا نقشہ نہیں کھینچا گیا۔ حقیقت میں مومن با خدا اس وقت بنتا ہے۔ جب خدا اس کی ذات پر غالب آچکا ہو۔ جب اسے یہ شعور پیدا ہو جائے کہ خدا کے ساتھ رہتا ہوں۔ پھر اگر وقتی طور پر وہ چھٹی کرتا ہے، کوئی کمزوری دکھاتا ہے تو وہ عارضی بات ہے۔ واپس پھر اس دائم اور قائم رہنے والی حقیقت کی طرف وہ جلد لوٹ آتا ہے ایسے لوگ ہیں جو محفوظ مقام پر ہیں۔ پس ایسے لوگوں کے بنائے ہوئے احمدی بھی لازماً محفوظ مقام پر فائز رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ نکات سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یاد رکھیں احمدیت کا غلبہ خدا کے غلبے کے ساتھ ہوگا۔ اگر خدا آپ پر غالب نہیں آیا تو جس احمدیت کو آپ لے کر دنیا کے لئے نکل رہے ہیں وہ احمدیت کبھی غالب نہیں آسکتی۔ اپنے وجود پر خدا کو غالب آنے دیں، پھر دیکھیں کہ آپ کے وجود کو خدا ساری دنیا پر غالب کر کے دکھائے گا۔ یہی ایک ترقی اور کامیابی کا راز ہے، اس کے سوا اور کوئی راز نہیں۔

خطبہ ثانیہ کے بعد فرمایا

نماز جمعہ کے معاً بعد نماز عصر بھی جمع ہوگی۔ میں چونکہ مسافر ہوں اور کچھ اور بھی مسافر ہیں۔ مسافر دوگانہ پڑھیں گے اور باقی دوست جو مقامی ہیں سلام پھیرے بغیر انتظار کریں گے جب امام دونوں سلام مکمل کر چکا ہو تو پھر کھڑے ہوں اور بقیہ دو رکعتیں پوری کریں۔